علامہ اقبال ۔ تاریخ ساز فرد

محمد منور

ولیم جیمز نے ایک مقالے میں جس کا عنوان ہے ''عظیم شخصیتیں اور ان کا ماحول'' اس امر پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ معاشرتی زندگی میں حرکت افراد پیدا کرتے ہیں ، کوئی گروہ یا پارٹی اصلاح کے درپے ہو تو وہ کامیابی سے ہمکنار ہو ہی جائے گی لیکن اگر اس پارٹی یا گروہ کو کوئی قائد میسر آ جائے تو رفتار اقدام یقیناً تیز تر ہو جاتی ہے ، اسی ضمن میں ولیم جیمز نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ترقی کی راہ روکنے کے معاملے میں بھی افراد کی اہمیت بہت کام کرتی ہے ، بعض اشخاص کا دباؤ پوری سوسائٹی کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے[1] ، وعلیٰ ھذا القیاس ۔

ہیگل اپنی کتاب فلسفہ تاریخ میں اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ کوئی مشیت انسانی کاروبار حیات کو متحرک اور متغیر اور پھر ترقی یاب دیکھنے کے لیے کسی نہ کسی فرد کو آلہ بنا لیتی ہے ، وہ افراد گویا اپنے دور میں کوئی مشیت کی روح یا نمائندے یا پرتو ہوتے ہیں ، ہیگل نے سیزر ، سکندر اعظم اور نپولین وغیرہ کی مثال دی ہے ، اور پھر جب کوئی مشیت ان افراد سے مطلوبہ کام لے لیتی ہے تو انہیں اُٹھا کر پھینک دیتی ہے جیسے پھل کا گودا نکال لینے کے بعد چھلکے یا خول کو پھینک دیا جاتا ہے ، وہ افراد عموماً زیادہ عمر بھی نہیں پاتے ، سکندر کی طرح مرتے ہیں یا سیزر کی طرح قتل ہوتے ہیں یا نپولین کی طرح جزیرہ سینٹ ہلینا میں تشریف لے جاتے ہیں ۔[2]

---

1. Selected Papers on Philosophy, J. M. Dent and Sons Ltd. N. York P. 188.

2. Philosophy of History, Dover Publications Inc N. York (1956) P. 31.

ہیگل کے نزدیک ایسے انقلابی ہیرو خصوصاً سیاسی اور جنگی افراد ہوتے ہیں ، اس کے مقابل ولیم جیمز کے یہاں عمومیت پائی جاتی ہے - انقلاب بپا کرنے والا شخص سیاسی ہیرو بھی ہو سکتا ہے اور عام معاشرتی مصلح بھی ، وہ مبلغ دین بھی ہو سکتا ہے ، وہ شاعر بھی ہو سکتا ہے ، ظاہر ہے کہ جو جس قدر انقلاب خیز ہے وہ اتنا ہی زیادہ تاریخ ساز ہے - بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں تاریخ سازی افراد کرتے ہیں ، جماعتیں یا گروہ یا معاشرے نہیں کرتے ، البتہ یہ امر فیصلہ طلب رہ جاتا ہے کہ آیا وہ افراد جو اقوام کی ترقی کا باعث ہوتے ہیں آیا انھیں خدا بناتا ہی اسی کام کے لیے ہے ؟ اور کیا وہ اپنی خودی تعمیر کرنے کے بجائے محض مامور من اللہ ہونے کے باعث کار ہائے نمایاں انجام دیتے ہیں ؟ اسی طرح وہ قارونی ، ابوجہلی اور ہامانی روحیں جو کسی سوسائٹی کی ترقی کے سدرہ بن جاتی ہیں کیا ان کی اس منفی کارگزاری کی ذمہ داری بھی عالم بالا پر عائد ہوتی ہے ؟ - - - - قرآنی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ پیغمبروں کو اور فقط پیغمبروں کو خدا نے خاص فرض کی آرائی کے لیے مبعوث فرمایا ، باقی خیر و شر کا انتساب اولاد آدم خود اپنی ہمت یا کم ہمتی ، اپنے ارادے کی راستی یا کجی کے مطابق کرتے ہیں ، پھر جو جس قدر موثر ہو ، منفی ہو یا مثبت ، اسی قدر وجود محسوس و ملموس ہوگا ، باقی بین بینی طبقہ ، خواہ وہ خیر کی جانب ہے خواہ شر کی جانب ، معاشرے یا جماعت کے مثبت یا منفی انقلاب کے باب میں کسی اہمیت کا مالک نہیں ہوتا -

علامہ اقبال برعظیم پاک و ہند یا آج کی اصطلاح میں جنوبی ایشیا کے علمی ، ادبی ، فکری اور سیاسی ہیرو تھے ، ان کی شخصیت بڑی تدریج کے ساتھ ارتقا یاب ہوئی ، ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی کسی بھی زبان میں کوئی شاعر ایسا نہیں گزرا جس کی شاعری نے استقلال کے ساتھ درجہ بدرجہ مربوط انداز میں ، عروج حاصل کیا ہو جس طرح حضرت علامہ کی شاعری نے کیا ، یہاں ہر قدم واضح ہے ، ادوار روشن ہیں - نقوش عیاں ، - - - - ساتھ ہی ہم شاید یہ بھی دعویٰ کر سکتے ہیں کہ کسی بھی قوم میں کوئی شاعر ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے اپنی شعری ، فنکاری اور فکری تابداری سے اپنی قوم ، معاشرے کے اذہان و قلوب کو اس قدر متاثر کیا ہو کہ افراد معاشرہ کی بیش قرار تعداد براہ راست

ولولہ انقلاب سے سرمایہ دار ہو گئی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ شیکسپیئر کا ادبی اور فنی اثر پوری انسانی دنیا میں بے مثال ہے ، مگر اس کے فن میں کوئی انقلابی پیغام نہ تھا جو دلوں کو کسی فکری یا نظریاتی نہج پر ڈال دیتا اور دلوں میں کسی منزل کے حصول کا شوق بے پناہ اور ولولہ وافر پیدا کر دیتا ، شیکسپیئر کا عہد انگلستان کی فتح اور عشرت کی سرشاری کا دور تھا ، دانتے کے یہاں بھی ولولہ و انقلاب کی لے نہیں ، یہی حال گوئٹے کا ہے ، یہی حال قدیم عہد کے شاعر لوکریشس کا ہے ، عربی شاعری میں آغاز اسلام سے لے کر آج تک اور اسی طرح فارسی شاعری میں از آغاز تا اینندم کسی شاعر نے انقلابی ولولہ پیدا نہ کیا ، فردوسی نے ایرانی قومیت کے شعور کو ضرور اجاگر کیا مگر فردوسی کے ایک ہزار سال بعد جب ایک حقیقی انقلاب کے لیے روحوں میں اضطراب پیدا ہوا تو فردوسی یا نظامی ، یا بہار یا صادق سرمد وغیرہ کوئی بھی مدد کو نہ پہنچا ، ایرانی روح انقلاب کو زبان فصاحت کلام اقبال نے مہیا کی ، زیادہ دور نہ جائیے ، علامہ شریعتی ہی کے فرمودات دیکھ لیجیے ۔ ۔ ۔ ۔ ہم علامہ اقبال کو بھی تاریخ ساز ہیرو قرار دے سکتے ہیں ۔

ہیرو کی شخصیت اور ماحول کے مابین جس قدر شدید اور دیرپا آویزش کارفرما رہتی ہے اتنا ہی ہیرو کا ولولہ ایک سرشاری کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے ، اگر ہیرو شاعر ہو تو اس کا جہاد اس کے میدان شاعری میں جلوہ گر ہوتا ہے ، ایک عام شاعر جو کسی مخصوص مقصد یا نظریئے سے وابستہ نہ ہو اپنی پسند و ناپسند ، خوشگواری و ناگواری ، ناکامی و کامگاری ، امید و بیم ، اثر افزائی اور مقبولیت بے اثری اور نامقبولیت کے تصادمات سے دوچار رہتا ہے ، وہ ہر رنگ میں شعر کہتا ہے ، لیکن شخصیت کسی بلند مقصد اور نظریئے سے وابستہ نہ ہونے کے باعث وہ رنگا رنگی کا مالک تو ہو جاتا ہے مگر ہم آہنگی و ربط کی قوت سے محروم رہتا ہے ، ڈیوڈ ڈیشے (David Daiches) کچھ یوں لکھتا ہے کہ ہمارا مجادلہ جب دوسروں سے ہوتا ہے تو خطابت جنم لیتی ہے اور جب ہمارا مجادلہ اپنی ذات سے ہوتا ہے تو شاعری وجود میں آتی ہے ، وہ اسی ضمن میں کسی صاحب فن پر دینی روایت کے اثر کا ذکر بھی کرتا ہے ۔ نیز یہ کہ جب وہ دینی روایت منتشر ہو جاتی ہے تو پھر شاعر من میں ڈوب کر نوحے سے ہمکنار ہوتا ہے ، اس کا اندرونی درد ایک نئی لے پیدا

کر لیتا ہے ، لیکن کچھ شاعر ایسے ہوتے ہیں جن کی تخلیقات حقیقی اندرونی کشمکش یا درد و غم کے بجائے محض تخیل پر مبنی ہوتی ہیں ، ایسے شعرا کی حیثیت ان باکسروں کی سی ہوتی ہے جو کسی حقیقی مد مقابل کے بجائے ہوا میں مُکے چلاتے ہیں ، یا بھوسہ بھری کسی بوری یا مشک کی پٹائی کرتے رہتے ہیں ۔[1]

اب ظاہر ہے کہ حضرت علامہ کی شخصیت جن تعلیمات پر پروان چڑھی تھی وہ ایک مضبوط و مربوط تاریخی و تہذیبی روایت پر استوار تھیں اور پھر وہ تعلیمات علامہ اقبال کے لیے محض معلومات نہ تھیں ، وہ تعلیمات ان کی واردات بن گئی تھیں بلکہ علامات حیات ، ان واردات کا چھن جانا حیات کا چھن جانا تھا بقول مومن :

جائے خون درد ہے اب ہر رگ و پے میں ساری !
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا !

چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ علامہ کی خود آگہی اور ماحول کی مخالفت دونوں کا شعور بڑھتا چلا گیا ، نتیجہ یہ کہ آویزش ، کھنچاؤ اور کشمکش کی کیفیت بھی زور پکڑتی گئی ، اور یہی کھنچاؤ ان کی شاعری کے بقاء کی ضمانت تھا ، وہ محض کوئی وقتی ہیجان نہ تھا کہ شدت کم ہو جاتی اور پھر شاعر پوچھتا کہ اب کیا ارشاد کریں : مولانا حالی نے کیا خوب کہا تھا :

اب غزل لکھیے تو کیا لکھیے غزل میں آخر !
نہ رہی چیز وہ مضمون سجھانے والی !

خود حضرت علامہ کو بھی اس امر کا شعور تھا کہ شخصیت تکمیل یاب کسی زوال آویزش ہی سے ہوتی ہے - وہ پروفیسر نکلسن کے نام لکھتے ہیں :

"جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس کے وجود کا نکتہ مرکزی شخصیت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ، (اور یہی ایغو ہے) شخصیت (در اصل)

---

1. Perspectives in contemporary Criticism, Harper and Row, New York, London, (1958) P. 59.

جوش یا ولولے کی ایک کیفیت ہے (Tension) ، شخصیت کا وجود اسی وقت تک قائم ہے ، جب تک اس جوش یا ولولے کی کیفیت انسانیت کی سب سے بیش قیمت متاع ہے اور انسان کا فرض ہے کہ اس بات کا اہتمام کرے کہ جوش یا ولولے کی اس کیفیت میں کبھی کمی پیدا نہ ہو ، جو چیز اس جوش یا ولولے کی کیفیت کو برقرار رکھ سکتی ہے ، وہی ہمیں بقائے دوام بخش سکتی ہے ، مختصر یہ کہ شخصیت کے تصور کی بدولت ہمیں ایک معیار قدر حاصل ہوتا ہے جسے کسوٹی بنا کر خیر و شر کو پرکھا جا سکتا ہے ، جو چیز شخصیت کو مستحکم کرے ، ولولے کو برقرار رکھے وہ خیر ہے ، جو چیز اس کیفیت کو کمزور کرے ، (انسان کو سست رفتاری پر مائل کرے وہ شر ہے) ۔ ۔ ۔ ۔ شخصی بقا اسی کو حاصل ہوگی جو اپنی زندگی میں فکر و عمل کے ایسے طریقے اختیار کرے کہ جوش اور ولولے کی کیفیت قائم رہے ، بالفاظ دیگر شخصیت برقرار رہے ، ۔ ۔ ۔ ۔ اگر ہمارے عمل کا مقصد یہ ہو کہ شخصیت کے جوش اور ولولے کی حالت برقرار رہے تو موت کا صدمہ بھی اسے متاثر نہ کر سکے گا ، موت کے بعد ایک وقفہ البتہ ممکن ہے جسے قرآن مجید برزخ کہتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ وقفہ موت اور حشر اجسام کے درمیان واقع ہوتا ہے اور اس وقفے میں وہی انا اور ایغو باقی رہتے ہیں جو زندگی میں یہ اہتمام کر لیتے ہیں کہ برزخ کے وقفے میں اس کی شخصیت برقرار رہے'' ۔[1]

اب ظاہر ہے کہ وہ شخص جس کے مقاصد بلند ، نصب العین پاکیزہ اور منزلیں دور نشین ہوں گی اس کے عزم محکم کے پیدا کردہ ولولے میں ضعف آ ہی نہیں سکتا ، اس کی آرزوؤں کے میدان بھی اس کے اقدام کی نسبت سے پھیلتے چلے جاتے ہیں ، بقول غالب :

مری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

ایسے تاریخ ساز افراد اپنی پختہ اور نصرت پسند فطرت کی بدولت اپنے ماحول کے ہر ناموافق عنصر اور مظہر سے ٹکرا جاتے ہیں ، ان کی جدوجہد حیات ، مضمون تسخیر کی تفسیر ہوتی ہے ، وہ ماحول کے ساتھ

۱۔ شعر اقبال ، از سید عابد علی عابد ، مجلس ترقی ادب لاہور ، ص ۵۰۱ - ۵۰۲ ۔

عاجزانہ مصالحت نہیں کرتے ، اگر ماحول ناسازگار ہے تو وہ ماحول کے مطابق ڈھل جانے کے بجائے ماحول کو اپنی مرضی کے موافق ڈھالنے کے درپے رہتے ہیں ۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسے افراد از آدم تا ایندم لاکھوں کروڑوں میں ایک آدھ کی نسبت سے رونما ہوتے ہیں اور وہی ہیں جو ولیم جیمز کے بقول معاشرہ میں کچھ ہلچل پیدا کرتے ہیں "انسان کامل" کے بارے میں ڈاکٹر یوسف حسین خان لکھتے ہیں :

"انسان کامل کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اعجاز عمل سے تجدید حیات کرتا ہے ، اس کی فکر زندگی کے خواب پریشان کی نئی تعبیر پیش کرتی ہے ، وہ پرانی اصطلاحوں کو نئے معنی پہناتا اور حقائق کی نئی توجیہ پیش کرتا ہے ، وہ تاریخ کی تخلیقی رو کو اپنے اپنے حسب منشا جدھر چاہتا ہے موڑ لیتا ہے ، اس کے ذریعے انسانی صفات عالیہ کا اظہار تاریخ میں اعلیٰ سیرت کی شکل میں ہوتا ہے اگرچہ وہ تاریخ کے امکانات اور تعینات سے ماورا ہوتا ہے لیکن اس کی جد و جہد اس سے ہم آہنگ ہوتی ہے ، وہ جان عالم اور جمیع موجودات کا خلاصہ ہے ، اقبال نے اس کی ذات کو "سوار اشہب دوراں" اور "فروغ دیدہ امکان" سے تشبیہہ دی ہے اور اس کی ذات سے ایجاد و تسخیر کی بڑی امیدیں وابستہ کی ہیں" ۔[۱]

ہم حضرت علامہ کو انسان کامل تو قرار دینے کی جسارت نہ کریں گے ، ہاں اتنا ضرور کہیں گے کہ وہ اپنے دور میں اس نصب العینی انسان کامل کا پرتو سا ضرور تھے ، وہ نصب العینی انسان جو اپنے ماحول کو تابع فرمان کر لیتا ہے علامہ اقبال نے "سوار اشہب دوراں" کہا علامہ اقبال کی شخصیت کی غذا روح اسلام تھی ، وہ روح اسلام جو نور ہے لہٰذا ظلمت سے مغلوب نہیں ہوتی ، جو حریت ہے اور بندگی و غلامی کو قبول نہیں کرتی ، جو حق ہے اور باطل سے مصالحت نہیں کرتی ۔ جو فقر پسند ہے چنانچہ شکار ہوس نہیں ہوتی ، جو بلند نظر ہے لہٰذا تملّق کے سائے سے بھی دور رہتی ہے ، جو بے باک ہے اس لیے روباہی اس کا شیوہ ہو ہی نہیں سکتی ، جو شاہین کی طرح بلند پرواز ہے لہٰذا خاک بازی کی اس سے توقع نہیں کی جا سکتی ، جو خار اشگاف ہے اس وجہ سے کاروبار

۱- روح اقبال ، آئینہ ادب ، لاہور ، ص ۲۰۶ ۔

شیشہ سازی اس کے مزاج ہی کے خلاف ہے ، وغیرہ ، چنانچہ روح اسلام کا پر تو جہاں بھی ہوگا وہاں باطل سے ، ظلمت سے ، بزدلی سے ، ہوس سے ، غلامی سے دروغ و تملق سے غرض اس عنصر ، وصف اور جوہر سے دوری ، نفرت اور عداوت ہوگی جو انسانی خودی کو کمزور کرنے کا باعث ہو ، اور اس کے برعکس ہر اس وصف ، عنصر اور جوہر سے قرب ، مروت اور دوستی ہوگی جو انسانی خودی کی تقویت کا سبب ہو ، ہر مثبت شے خیر لہٰذا روح اسلام ، اور منفی شے شر لہٰذا مخالف روح اسلام ، ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت علامہ وہ تاریخ ساز فرد تھے جو روح اسلام سے پرتو پذیر ہونے کے باعث اسلامی قدروں کے زبردست حامی اور ترجمان تھے ، اور برعکس کے دشمن ۔

حضرت علامہ کی شخصیت میں اسلامی تعلیمات راسخ تھیں ، ان کا عقیدہ تھا کہ اسلام حق ہے اور حق مغلوب نہیں ہو سکتا ، مگر جب چشم ہوش سے دیکھا تو فقط یہی نہیں کہ وہ جس وطن میں نشو و نما پا رہے تھے وہی غیر مسلموں کا غلام تھا بلکہ تقریباً پورا عالم اسلام غیروں کے پنجہ استبداد میں صیدزبوں تھا ، جنگ عظیم اول کے خاتمے پر آخری جھنڈا جو ترکوں نے اپنے کمزور اور بیمار ہاتھوں میں تھام رکھا تھا وہ بھی سرنگوں ہو گیا ، برعظیم کی مسلم آبادی دوہری مصیبت میں مبتلا تھی ایک طرف انگریزی استعمار تھا اور دوسری طرف ہندو اکثریت کا معاشی تسلط ، ہندو قوم کا تہذیبی تسلط بھی انگریز کے تہذیبی تسلط کے ساتھ ساتھ کارفرما تھا ، اس دور میں دنیا کے اندر جمہوری آوازے بلند ہونے لگے ، ہندو قوم کے لیے یہ آوازے بڑے خوش آئیندہ تھے ، مراد یہ کہ ہندوؤں کو جمہوری نغموں میں اپنی فتح کا میٹھا رس محسوس ہو رہا تھا ۔ مسلمان پورے برعظیم میں چوتھائی کے قریب بھی بمشکل تھے ۔

حضرت علامہ جیسا صاحب نظر و بصر آدمی جانتا تھا کہ غلام اقوام معاصر دور کی غالب اقوام کے نظریہ حیات اور فلسفے کے حضور میں گردن ڈال دیتی ہیں ، یہی عالم پورے مشرق کا ہوا ۔ یہی عالم پورے معاشرے کا ، حضرت علامہ کے معاصر دور کا فلسفہ سر تا سر مادی تھا اس سے مخصوص مغربی تصور وطنیت و قومیت ابھرا جو اسلامی روح سے متصادم تھا ۔ اقوام غالب کا یہی مخصوص فلسفہ تھا ، چنانچہ پوری دنیائے آدم ہوس کی افراتفری میں مبتلا ہو گئی ، انسانیت گویا بامعنی کلمہ ہی نہ رہا ، مراد یہ ہے کہ انسانی اقدار پائمال زر و مال اور خراب قمار و شراب

ہونے لگیں ، اور یہی عام چلن بن گیا ، اس لیے کہ یہی شاہی سکہ رواں تھا ، پھر امت مسلمہ میں ہزاروں کوتاہ نظر وہ بھی تھے جو اقوام غالب کی اس روش کے اندھے نقال بن گئے اور بنتے جا رہے تھے ، جب مادہ پرستی ہی دین بن جائے اور روحانی معیارات ناپید ہو جائیں تو دہریت لازماً ظہور میں آتی ہے ، حواس خمسہ سے آگے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا اور حواس خمسہ بھی لذت کی حدود کے قیدی ہو کر رہ جاتے ہیں ، غرض حضرت علامہ کو غلامی ، بزدلی ، بے بصر نقالی ، دہریت اور ہوس کے خلاف آوازہ بلند کرنا پڑا ، انہیں حریت کے گیت گانے پڑے ، انہیں اخوت اور شجاعت کا درس دینا پڑا ، انہیں فقر و استغنیٰ کی مستی روحوں میں راسخ کرنی پڑی ، انہیں دنیا داری کو جھنجھوڑنا پڑا ، انہیں دینداروں کو جھٹکانا پڑا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گویا ان کے اندر کی دنیا ان کے باہر کی دنیا سے متصادم ہوئی اور یہ تصادم ان کے دم آخر تک جاری رہا ، وہ جانتے تھے کہ نور و ظلمت اور خیر و شر کی یہ جنگ بے پایاں ہے ، اسے تا ابد رہنا ہے :

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی کے شرار بولہبی !۱

قومیت و وطنیت کا معاصر فلسفہ اسلام کے عطا کردہ نظریہ آخوت آدم سے صریحاً متصادم تھا ۔ برعظیم پاک و ہند کے اندر بھی اور باہر بھی مسلمان اقوام اور معاشرے اس کی زد میں آ رہے تھے ۔ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں اس نظریے سے انہیں اپنے وطن کے اندر کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچتا تھا لیکن تکلیف دہ امر یہ تھا کہ ''امت'' کا تصور دھندلا رہا تھا ، برعظم کے اندر جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور اسی طرح دنیا کے بعض دیگر ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اس قومیت و وطنیت کے جدید موقف کے باعث اپنی حیثیت اور اپنے تشخص کی پامالی کے خوف سے دوچار تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسلوب احمد انصاری حضرت علامہ کے کلمات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

۱۔ بانگ درا ، ص ۲۷۹ ، فیروز سنز ۱۹۶۲ء ۔

''جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا اس کی روح سے اسلام محض انسان کی اخلاق اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی گہرا احساس انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے'' ۔ ۔ ۔ ۔ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کے نظریہ وطنیت و قومیت کو یہ سبب اس کے کہ یہ جغرافیائی حد بندیوں کی طرف لے جاتا ہے اور مرکزی اقدار حیات کی نفی کرتا ہے ، اپنے برہان قاطع سے یکسر مسترد کر دیا'' ۔[۱]

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علامہ کی شخصیت جن اقدار اور نظریات پر ترتیب یاب ہوتی تھی وہ اتنے راسخ اور مستحکم ہو گئے تھے کہ جملہ وہ عصری عناصر جو ان اقدار اور نظریات کے مخالف تھے گویا حضرت علامہ کو دعوت مبارزت دے رہے تھے ، ایک عام اور معمولی شخص جو اپنے عقائد و تصورات کو معاشرے یا ماحول کے عقائد و مراسم سے مختلف دیکھتا ہے تو یا وہ اردگرد کا اثر قبول کر لیتا ہے یا پھر یہ کہ اپنا ایمان بچانے کے درپے رہتا ہے ، لیکن بعض وہ افراد ہوتے ہیں جو اپنا ایمان بچانے یا اپنی ہی روش کا دفاع کرنے کو کافی نہیں جانتے بلکہ وہ مخالف ماحول کو مسخر کرنے کے درپے ہوتے ہیں لہذا اپنے معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کی خاطر مصروف جہاد ہو جاتے ہیں اور پھر اپنے عزم صمیم اور ایمان محکم کی بدولت اس جہاد میں کمی تا دم آخر نہیں آنے دیتے ، یہی فرق ہے ایک عام صاحب ایمان میں اور ایک خاص صاحب ایمان میں جو مرد میدان بھی ہو ۔ پروفیسر محمد مجیب رقم طراز ہیں :

''ڈاکٹر اقبال کا دل چھوٹے کاموں میں لگ ہی نہ سکتا تھا اور کوئی مانے یا نہ مانے اُن کا دل اپنا بڑا کام کر بھی گیا ۔ جس شخصیت کا وہ خواب دیکھتے تھے اس کے اور ان کے درمیان موقع کا فرق تھا ، جس عمل کو وہ سچا سمجھتے تھے وہ غور کیجیے تو ان کے اپنے کارناموں کا بس دوسرا رخ ہے ۔ انہوں نے اپنے اندر وہ یقین پیدا کر لیا تھا جو دنیا میں ایمان پھیلاتا ہے اور زندگی کا سارا بوجھ سنبھالتا ہے ، ۔ ۔ ۔ ۔

۱۔ نقش اقبال ، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ، دہلی ، ص ۱۸۳ ، ۱۸۴ ۔

انہوں نے بہتیرے بھید پا لیے تھے جو یقین کی جان اور انسانیت کی آبرو ہیں اور ان میں وہ صفت پائی جاتی تھی جو سچے یقین ، سچی انسانیت اور سچے علم کی پہچان ہے یعنی ایک پوری ملت کے تمام گہرے اور مستقل اور زندگی کو شکل و صورت دینے والے جذبات سمٹ کر ان کے دل میں آ گئے تھے اور اسے ایک ایسا نمونہ بنا دیا تھا کہ جسے دیکھ کر تاریخ کہتی ہے ہاں صحیح ہے ، مذہب کہتا ہے کہ ہاں یہی چاہیے اور ہر زمانے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری آرزو ہے کہ ہم بھی ایسے ہو جائیں'' ۔۱

اپنے لیے تو زندہ رہنے والے کروڑوں اور اربوں گزرے ہیں ۔ مگر دوسروں کے گہرے اور مستقل اور زندگی کو شکل و صورت دینے والے جذبات سمیٹ کر ''اپنے دل میں ڈال لینے والے - - - - مراد ہے دوسروں کی خاطر ، معاشرے اور انسانیت کی خاطر - - - - زندہ رہنے والے کتنے لوگ ہوتے ہیں ؟ خود اپنی غرض کی خاطر اور تکمیل آرزو اور تحصیل ہوس میں بھی افراد میدان میں اترتے ہیں ۔ فتوحات و تسخیرات کا شوق پورا کرتے ہیں ، لیکن ظاہر ہے کہ وہ عمل دوسروں کے درد کی ترجمانی نہیں ، دوسروں کو ذوق طلب اور شوق ترقی سے ہمکنار نہیں کرتا ، افراد اپنی ہوس کو نافذ کرکے بعض اوقات اپنی ہی سوسائٹی کو برباد کرکے رکھ دیتے ہیں ، تماشا دکھاتے ہیں اور مداری چلے جاتے ہیں ، خون بہانے ہیں بسملوں کا تماشا دیکھ کر چنگیز صفت درندے روانہ ہو جاتے ہیں ، ان کا بھی ایک رول ہے ، وہ بھی تاریخ کے دھارے کو متاثر کرتے ہیں ، مگر ان میں اور ایک درد مند اصلاح آموز مجاہد میں زمین و آسمان کا فرق ہے ، چنگیزی فتوحات اور معاملہ ہے ، روحانی نصرتیں اور مسئلہ ہے ، روحانی نصرتیں بھی تاریخ کا دھارا موڑ دیتی ہیں اور ان نصرتوں سے ہمکنار ہونے والے افراد محض ممالک و اقوام کی تسخیر اور تہذیب کا ذوق پورا کرنے والے یوش کنندگان کے مقابل کم اہمیت کے مالک نہیں ہوتے ۔

یہ تو عیاں ہے کہ کوئی فرد اولاد آدم اس وقت تک واقعی فرد مفید کے طور پر تربیت یاب نہیں ہوتا جب تک وہ کسی معاشرے میں

۱۔ اقبال جامعہ کے مصنفین کی نظر میں ، مرتبہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ، دہلی ، ص ۳۰ ، ۳۱ ۔

زندگی کے تجربات کی بھٹی میں سے نہ گزرے ، اگر کوئی فرد حق گو ہے تو اس کی حق گوئی لوگوں کے ساتھ این دین اور ربط و معاملہ ہی کے باعث ہو گی ، ورنہ حق گوئی شخص کی خود اپنے حق میں محض ایک خوش گمانی کے درجے سے آگے نہ بڑھے گی ، اس طرح صبر ، استقلال ، برد باری ، ایثار ، شفقت ، غیرت اور حمیت وغیرہ اوصاف معاشرتی زندگی ہی میں پیدا ہو سکتے اور اُبھر سکتے ہیں ۔ تارک الدنیا شخص کوئی اخلاقی فرد معاشرہ نہیں لہذا وہ معاشرے کے لیے مفید نہیں ہو سکتا ہے ، لیکن یہ امر بہر حال اپنی جگہ واضح ہے کہ اعلیٰ اوصاف کے نمونے یا ترقی کے روپے افراد ہی پیدا کرتے ہیں ۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان کی اس باب میں رائے یہ ہے :

''تاریخ بتاتی ہے کہ سوسائٹی کی ساری ترقی کا دار و مدار انفرادی شعور اور فرد کی سعی و عمل کا مرہونِ منت رہا ہے ، اکثر اوقات خود جماعتوں کی سعی و جہد انفرادی جدت اور حوصلے پر منحصر ہوتی ہے ، ایج اور جدت طرازی خالص انفرادی صلاحیت ہے ، جماعت تخلیق نہیں کر سکتی ، وہ زیادہ سے زیادہ استفادہ اور تقلید کر سکتی ہے ، بالعموم انفرادی جدت طرازی کے نتائج اجتماعی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں ، سائنٹیفک ایجاد پہلے ایک شخص کرتا ہے ، بعد میں یہ ایجاد اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے اجتماعی حیثیت اختیار کر لیتی ہے ، اسی طرح تمدنی قدروں کی تخلیق بھی افراد کرتے ہیں جن کی اشاعت پوری جماعت میں ہو جاتی ہے ، مجرد اور غیر مشخص معاشرے نے جو افراد کا مجموعہ آج تک نہ کوئی سائنٹیفک چیز ایجاد کی اور نہ کسی تمدنی قدر کی تخلیق کی ، انفرادیت پسندی کے نزدیک فرد ہر چیز کا پیمانہ اور معیار ہے اور زندگی کی قدروں کا تعین اسی کی ذات سے ہے ، افراد جس طرح اپنے تعلقات کو مربوط و مرتب کریں گے انہی کے تحت سوسائٹی کی شکل پیدا ہو گی ۔ افراد ہی وہ معین مرکز ہوتے ہیں ، جن کے ارد گرد اجتماعی تصورات و جذبات جمع ہوتے ہیں ۔ بقول بودلیئر'' حقیقی ترقی جو اخلاقی ترقی سے عبارت ہے فرد کی ذات میں اور فرد کے ذریعے ہی ممکن ہے ۔[۱]

برِعظم کے مسلمان انیسویں صدی کے نصف آخر میں اپنی ہمہ جہتی

۱- روح اقبال ، ۲۱۶ ، ۲۱۷ -

شکست سے دو چار تھے ، ان میں روح تازہ پیدا کرنے کے لیے سرسید کی ہمت ، حوصلے ، تدبّر اور جوشِ ایمانی کو داد دینا پڑتی ہے ۔ ایک باحوصلہ فرد نے ایک لشکر کا کام کیا ، پھر اس ایک فرد نے کئی افراد پیدا کیے ، خود اپنی جگہ ایک نظام شمسی بن گئے ، حضرت علامہ نے جب ہوش سنبھالا تو برعظم کے مسلمانوں کی حالت خستہ و خراب تھی ، دلوں میں بے تابی تھی ، دلوں کی اس بے تابی کو مایوسی ختم کر کے سرسید نے پیدا کیا تھا ۔ اکبر الہ آبادی نے پیدا کیا تھا ، مولانا حالی نے پیدا کیا تھا ، علامہ شبلی نے پیدا کیا تھا ، پھر حضرت علامہ نے حالات کا چیلنج قبول کیا اور وہ راستہ اختیار کیا جو پیغمبروں کی انتھک روح نے اختیار کیا تھا ، مراد ہے اللہ کے پیغمبر اللہ کی راہ میں کبھی مایوس نہیں ہوئے ، وہ کامیاب ہوئے یا ناکام رہے مگر اللہ کی عطا کردہ نوری ہدایات بنو آدم کی بہتری کی خاطر بنو آدم تک پہنچانے کی خاطر ہر دم سرگرم عمل رہے ، قرآن گواہ ہے کہ بارہا پیغمبر ناکام رہے ، قرآن گواہ ہے کہ بارہا پیغمبروں کو قتل کر دیا گیا ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ، جنہیں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اولاد آدم کی راہ میں ایثار کرنا اور کڑیاں جھیلنا ہوں وہ نہ مایوس ہوتے ہیں اور نہ ادائے فرض کے احساس سے دست کش ہوتے ہیں ، نہ غم کھاتے ہیں اس لیے کہ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ ذاتی فتح و کامرانی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ وہ فقط خدا کی خوشنودی کے لیے ہوتا ہے ، پھر مایوسی کیسی ؟ پھر غم کیوں ؟ علامہ اقبال نے جو جو چیلنج قبول کیے تھے جن کا ذکر آغاز مقالہ میں آ چکا ہے - - - - وہ بڑے زور دار چیلنج تھے ، ان سب کا مقابلہ بہت سے مطالب کے حصول کے لیے تھا مگر وہ سب مطالب جس آخری نقطے کے گرد گھومتے تھے وہ یہ تھا کہ آدمی صحیح معنوں میں خود شناس ہو — اپنا مقام پہچانے ، اور یہ جبھی ممکن تھا کہ اسے یقین ہو جائے کہ خدا کے بعد پوری کائنات آدم ہی کے لیے مسخر ہے ، وہ کائنات میں مغلوب نہیں ، وہ غالب ہے ، بقول حضرت علامہ :

زندگی مضمون تسخیر است و بس !
آرزو افسون تسخیر است و بس !۱

۱- اسرار خودی ، ص ۵۳ ، ۳۵ -

حضرت علامہ نے مولانا شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا قول نقل کیا ہے کہ :

''محمدؐ عربی بر فلک الافلاک رفت و باز آمد ، و اللہ اگر من رفتے ہرگز باز نیا دزے'' ۔ ۔ ۔ ۔ (محمدؐ عربی فلک الافلاک پر تشریف لے گئے اور پھر لوٹ بھی آئے ، خدا کی قسم اگر میں جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا)

اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت علامہ کہتے ہیں :

''شیخ موصوف کے اس ایک جملے سے ہم اس فرق کا ادراک نہایت خوبی سے کر لیتے ہیں جو شعور ولایت اور شعور نبوت میں پایا جاتا ہے صوفی نہیں چاہتا واردات اتحاد میں اسے جو لذت اور سکون حاصل ہوتا ہے اسے چھوڑ کر واپس آئے ، لیکن اگر آئے بھی ، جیسا کہ اس کا آنا ضروری ہے ، تو اس سے نوع انسانی کے لیے کوئی خاص نتیجہ مرتب نہیں ہوتا ، برعکس اس کے نبی کی باز آمد تخلیقی ہوتی ہے ۔ وہ ان واردات سے واپس آتا ہے تو اس لیے کہ زمانے کی رو میں داخل ہو جائے اور پھر ان قوتوں کے غلبہ و تصرف سے جو عالم تاریخ کی صورت گر ہیں مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے ، صوفی کے لیے تو لذت اتحاد ہی آخری چیز ہے ، لیکن انبیاء کے لیے اس کا مطلب ہے ان کی اپنی ذات کے اندر کچھ اس قسم کی نفسیاتی قوتوں کی بیداری جو دنیا کو زیر و زبر کرسکتی ہیں اور جن سے کام لیا جائے تو جہانِ انسانی دگرگوں ہو جاتا ہے'' ۔[1]

عیاں ہے کہ حضرت علامہ نے بھی ''اتحاد کے لذت چشیدہ'' صوفیہ کے بجائے انبیاء کی روش کو پیش نظر رکھا اور جہان آدم کو دگرگوں کرنے کے لیے اپنی جملہ اہلیتیں صرف کر دیں اور انہیں بھرپور توقع تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ ان کی اس انقلاب انگیزی کا اعتراف کیا جائے گا ۔

پس از من شعر من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کردیک مرد خود آگا ہے[2]

۱۔ تشکیل جدید ، ص ۱۸۸ ، ۱۸۹ ۔
۲۔ زبور عجم (کلیات اقبال فارسی) ، ص ۱۰۰/۴۹۲ ۔

- علامہ اقبال کے جملہ شعری اور نثری مجموعوں کے بارے میں بنیادی معلومات (پس منظر ، ترتیب و تیاری ، کتابت و طباعت ، طبع اول کی تواریخِ اشاعت کا تعین ، مابعد اشاعتوں کی تفصیل)
- نظم و نثر اقبال کے متن کی تحقیق (ترامیم ، محذوفات ، ترتیب اشعار میں تقدیم و تاخیر ، اغلاطِ کتابت و املا)
- بعض نثری تحریروں کے بارے میں غلط فہمیوں کی تصحیح
- بعض غیر مطبوعہ تحریروں کی دریافت

پر مبنی

تصانیفِ اقبال

کا

تحقیقی و توضیحی مطالعہ

"یہ ایک اہم اور ناقابلِ فراموش کتاب ہے۔ اقبالیات میں اس کی حیثیت حوالہ جاتی کتاب کی ہے۔ اس سے استفادہ کیے بغیر اقبال کی نثر و نظم کے صحیح متن کا مطالعہ ممکن نہ ہوگا۔ ڈاکٹر ہاشمی نے اقبال پر بہت بڑا کام کر دکھایا ہے۔"

ڈاکٹر ابنِ فرید ("الفاظ" ، علی گڑھ)

صفحات : ۵۰۲ + ۴۴ - قیمت : مجلد ۷۰ روپے

اقبال اکادمی پاکستان

۱۱۶ - میکلوڈ روڈ ، لاہور

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006